

دونوں جہان تیری محبت میں بار کے  
 وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے  
 ویراں ہے مے کدہ خم و ساغر اداس ہیں  
 تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے  
 اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن  
 دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے  
 دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا  
 تجھ سے بھی دل فریب ہیں غم روزگار کے  
 بھولے سے مسکرا تو دے تھے وہ آج فیض  
 مت پوچھ ولولے دل ناکردہ کار کے  
 اُنے کچھ ابر کچھ شراب اُنے  
 اس کے بعد اُنے جو عذاب اُنے  
 بام مینا سے مابتاب اترے  
 دست ساقی میں آفتاب اُنے  
 ہر رگ خوں میں پھر چراغاں ہو  
 سامنے پھر وہ بے نقاب اُنے  
 عمر کے ہر ورق پہ دل کی نظر  
 تیری مہر و وفا کے باب اُنے  
 کر رہا تھا غم جہاں کا حساب  
 آج تم یاد ہے حساب اُنے  
 نہ گئی تیرے غم کی سرداری  
 دل میں یوں روز انقلاب اُنے  
 جل اٹھے بزم غیر کے در و بام  
 جب بھی ہم خانماں خراب اُنے  
 اس طرح اپنی خامشی گونجی  
 گویا ہر سمت سے جواب اُنے  
 فیض تھی راہ سر بسر منزل  
 ہم جہاں پہنچے کامیاب اُنے  
 گلوں میں رنگ بھرے باد نوبہار چلے  
 چلے بھی اُو کہ گلشن کا کاروبار چلے  
 قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو  
 کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے  
 کبھی تو صبح ترے کنج لب سے ہو آغاز  
 کبھی تو شب سر کاکل سے مشکبار چلے  
 بڑا ہے درد کا رشتہ ہم دل غریب سہی  
 تمہارے نام پہ اُٹیں گے غم گسار چلے  
 جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شب بجران  
 ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے  
 حضور یار ہوئی دفتر جنوں کی طلب  
 گرہ میں لے کے گریباں کا تار تار چلے  
 مقام فیض کوئی راہ میں چچا ہی نہیں  
 جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے  
 ہم پر تمہاری چاہ کا الزام ہی تو ہے  
 دشنام تو نہیں ہے یہ اکرام ہی تو ہے  
 کرتے ہیں جس پہ طعن کوئی جرم تو نہیں  
 شوق فضول و الفت ناکام ہی تو ہے  
 دل مدعی کے حرف ملامت سے شاد ہے  
 اے جان جاں یہ حرف ترا نام ہی تو ہے  
 دل ناامید تو نہیں ناکام ہی تو ہے  
 لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے

دست فلک میں گردش تقدیر تو نہیں  
 دست فلک میں گردش ایام ہی تو ہے  
 آخر تو ایک روز کرے گی نظر وفا  
 وہ یار خوش خصال سر بام ہی تو ہے  
 بھیگی ہے رات فیضِ غزل ابتدا کرو  
 وقت سرود درد کا ہنگام ہی تو ہے  
 آپ کی یاد آتی رہی رات بھر  
 چاندنی دل دکھاتی رہی رات بھر  
 گاہ جلتی ہوئی گاہ بجھتی ہوئی  
 شمع غم جھلملاتی رہی رات بھر  
 کوئی خوشبو بدلتی رہی پیر بن  
 کوئی تصویر گاتی رہی رات بھر  
 پھر صبا سایہ شاخ گل کے تلے  
 کوئی قصہ سناتی رہی رات بھر  
 جو نہ آیا اسے کوئی زنجیر در  
 بر صدا پر بلاتی رہی رات بھر  
 ایک امید سے دل بہلتا رہا  
 اک تمنا ستاتی رہی رات بھر  
 تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے  
 تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے  
 جنوں میں جتنی بھی گزری بکار گزری ہے  
 اگرچہ دل پہ خرابی بزار گزری ہے  
 ہوئی ہے حضرت ناصح سے گفتگو جس شب  
 وہ شب ضرور سر کوئے یار گزری ہے  
 وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا  
 وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے  
 نہ گل کھلے ہیں نہ ان سے ملے نہ مے پی ہے  
 عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے  
 چمن پہ غارت گلچیں سے جانے کیا گزری  
 قفس سے آج صبا ہے قرار گزری ہے  
 نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی  
 نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی  
 نہ تن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں  
 نماز شوق تو واجب ہے بے وضو ہی سہی  
 کسی طرح تو جمے بزم مے کدے والو  
 نہیں جو بادہ و ساغر تو باؤ ہو ہی سہی  
 گر انتظار کٹھن ہے تو جب تلک اے دل  
 کسی کے وعدہ فردا کی گفتگو ہی سہی  
 دیار غیر میں محرم اگر نہیں کوئی  
 تو فیضِ ذکر وطن اپنے روبرو ہی سہی  
 راز الفت چھپا کے دیکھ لیا  
 دل بہت کچھ جلا کے دیکھ لیا  
 اور کیا دیکھنے کو باقی ہے  
 آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا  
 وہ مرے ہو کے بھی مرے نہ ہوئے  
 ان کو اپنا بنا کے دیکھ لیا  
 آج ان کی نظر میں کچھ ہم نے  
 سب کی نظریں بچا کے دیکھ لیا  
 فیضِ تکمیل غم بھی ہو نہ سکی  
 عشق کو آزما کے دیکھ لیا

شام فراق اب نہ پوچھ آئی اور آ کے ٹل گئی  
 دل تھا کہ پھر بہل گیا جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی  
 بزم خیال میں ترے حسن کی شمع جل گئی  
 درد کا چاند بجھ گیا بحر کی رات ڈھل گئی  
 جب تجھے یاد کر لیا صبح مہک مہک اٹھی  
 جب ترا غم جگا لیا رات مچل مچل گئی  
 دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف ہم  
 کہنے میں ان کے سامنے بات بدل بدل گئی  
 آخر شب کے ہم سفر فیض نہ جانے کیا ہوئے  
 رہ گئی کس جگہ صبا صبح کدھر نکل گئی  
 کب ٹھہرے گا درد اے دل کب رات بسر ہوگی  
 سنتے تھے وہ آئیں گے سنتے تھے سحر ہوگی  
 کب جان لہو ہوگی کب اشک گہر ہوگا  
 کس دن تری شنوائی اے دیدہ تر ہوگی  
 کب مہکے گی فصل گل کب بہکے گا مے خانہ  
 کب صبح سخن ہوگی کب شام نظر ہوگی  
 واعظ بے نہ زاہد بے ناصح بے نہ قاتل بے  
 اب شہر میں یاروں کی کس طرح بسر ہوگی  
 کب تک ابھی رہ دیکھیں اے قامت جانانہ  
 کب حشر معین بے تجھ کو تو خبر ہوگی  
 کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں کب بات میں تیرا بات نہیں  
 صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب بحر کی کوئی رات نہیں  
 مشکل ہیں اگر حالات وہاں دل بیچ آئیں جاں دے آئیں  
 دل والو کوچہ جانان میں کیا ایسے بھی حالات نہیں  
 جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے  
 یہ جان تو آئی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں  
 میدان وفا دربار نہیں یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں  
 عاشق تو کسی کا نام نہیں کچھ عشق کسی کی ذات نہیں  
 گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا  
 گر جیت گئے تو کیا کہنا بارے بھی تو بازی مات نہیں  
 دل میں اب یوں ترے بھولے ہوئے غم آتے ہیں  
 جیسے بچھڑے ہوئے کعبہ میں صنم آتے ہیں  
 ایک اک کر کے ہوئے جاتے ہیں تارے روشن  
 میری منزل کی طرف تیرے قدم آتے ہیں  
 رقص مے تیز کرو ساز کی لے تیز کرو  
 سوئے مے خانہ سفیران حرم آتے ہیں  
 کچھ ہمیں کو نہیں احسان اٹھانے کا دماغ  
 وہ تو جب آتے ہیں مائل بہ کرم آتے ہیں  
 اور کچھ دیر نہ گزرے شب فرقت سے کہو  
 دل بھی کم دکھتا ہے وہ یاد بھی کم آتے ہیں  
 تمہاری یاد کے جب زخم بھرے لگتے ہیں  
 کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں  
 حدیث یار کے عنوان نکھرنے لگتے ہیں  
 تو ہر حریم میں گیسو سنورنے لگتے ہیں  
 ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے  
 جو اب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں  
 صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکر وطن  
 تو چشم صبح میں آنسو ابھرنے لگتے ہیں  
 وہ جب بھی کرتے ہیں اس نطق و لب کی بخیہ گری  
 فضا میں اور بھی نغمے بکھرنے لگتے ہیں

در قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے  
 تو فیضِ دل میں ستارے اترنے لگتے ہیں  
 نصیبِ آزمانے کے دن آ رہے ہیں  
 قریب ان کے آنے کے دن آ رہے ہیں  
 جو دل سے کہا ہے جو دل سے سنا ہے  
 سب ان کو سنانے کے دن آ رہے ہیں  
 ابھی سے دل و جاں سر راہ رکھ دو  
 کم لٹنے لٹانے کے دن آ رہے ہیں  
 ٹپکنے لگی ان نگاہوں سے مستی  
 نگاہیں چرانے کے دن آ رہے ہیں  
 صبا پھر ہمیں پوچھتی پھر رہی ہے  
 چمن کو سجانے کے دن آ رہے ہیں  
 چلو فیضِ پھر سے کہیں دل لگائیں  
 سنا ہے ٹھکانے کے دن آ رہے ہیں  
 بات بس سے نکل چلی ہے  
 دل کی حالت سنبھل چلی ہے  
 اب جنوں حد سے بڑھ چلا ہے  
 اب طبیعت بہل چلی ہے  
 اشکِ خوناب ہو چلے ہیں  
 غم کی رنگت بدل چلی ہے  
 یا یوں ہی بجھ رہی ہیں شمعیں  
 یا شبِ بجر ٹل چلی ہے  
 لاکھ پیغام ہو گئے ہیں  
 جب صبا ایک پل چلی ہے  
 جاؤ اب سو رہو ستارو  
 درد کی رات ڈھل چلی ہے  
 کب تک دل کی خیر منائیں کب تک رہ دکھلاؤ گے  
 کب تک چین کی مہلت دو گے کب تک یاد نہ آؤ گے  
 بیتا دیدِ امید کا موسم خاک اڑتی ہے آنکھوں میں  
 کب بھیجو گے درد کا بادل کب برکھا برسائے گے  
 عہدِ وفا یا ترکِ محبت جو چاہو سو آپ کرو  
 اپنے بس کی بات ہی کیا ہے ہم سے کیا منوائے گے  
 کس نے وصل کا سورج دیکھا کس پر بجر کی رات ڈھلی  
 کیسوؤں والے کون تھے کیا تھے ان کو کیا جتلاؤ گے  
 فیضِ دلوں کے بھاگ میں ہے گھر بھرنا بھی لٹ جانا بھی  
 تم اس حسن کے لطف و کرم پر کتنے دن اتراؤ گے  
 نہ گنواؤ ناوک نیم کش دل ریزہ ریزہ گنوا دیا  
 جو بچے ہیں سنگِ سمیٹ لو تن داغ داغ لٹا دیا  
 مرے چارہ گر کو نوید ہو صفِ دشمنان کو خبر کرو  
 جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا  
 کرو کچ جہیں ہم سر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو  
 کہ غرورِ عشق کا بانگین پس مرگ ہم نے بھلا دیا  
 ادھر ایک حرف کہ کشتنی یہاں لاکھ عذر تھا گفتنی  
 جو کہا تو سن کے اڑا دیا جو لکھا تو پڑھ کے مٹا دیا  
 جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے  
 رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا  
 ترے غم کو جاں کی تلاش تھی ترے جاں نثار چلے گئے  
 تری رہ میں کرتے تھے سر طلب سر رہ گزار چلے گئے  
 تری کچ ادائی سے بار کے شبِ انتظار چلی گئی  
 مرے ضبطِ حال سے روٹھ کر مرے غم گسار چلے گئے

نہ سوال وصل نہ عرض غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں  
 ترے عہد میں دل زار کے سبھی اختیار چلے گئے  
 یہ ہمیں تھے جن کے لباس پر سر رہ سیاہی لکھی گئی  
 یہی داغ تھے جو سجا کے ہم سر بزم یار چلے گئے  
 نہ رہا جنون رخ وفا یہ رسن یہ دار کرو گئے کیا  
 جنہیں جرم عشق پہ ناز تھا وہ گناہ گار چلے گئے  
 رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرائے کا نام  
 موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام  
 دوستو اس چشم و لب کی کچھ کہو جس کے بغیر  
 گلستاں کی بات رنگیں ہے نہ مے خانے کا نام  
 پھر نظر میں پھول مہکے دل میں پھر شمعیں جلیں  
 پھر تصور نے لیا اس بزم میں جانے کا نام  
 دلبری ٹھہرا زبان خلق کھلوانے کا نام  
 اب نہیں لیتے پری رو زلف بکھرانے کا نام  
 اب کسی لیلیٰ کو بھی اقرار محبوبی نہیں  
 ان دنوں بدنام ہے ہر ایک دیوانے کا نام  
 محتسب کی خیر اونچا ہے اسی کے فیض سے  
 رند کا ساقی کا مے کا خم کا پیمانے کا نام  
 ہم سے کہتے ہیں چمن والے غریبان چمن  
 تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام  
 فیض ان کو ہے تقاضائے وفا ہم سے جنہیں  
 آشنا کے نام سے پیارا ہے بیگانے کا نام  
 تری امید ترا انتظار جب سے ہے  
 نہ شب کو دن سے شکایت نہ دن کو شب سے ہے  
 کسی کا درد ہو کرتے ہیں تیرے نام رقم  
 گلہ ہے جو بھی کسی سے ترے سبب سے ہے  
 ہوا ہے جب سے دل ناصبور ہے قابو  
 کلام تجھ سے نظر کو بڑے ادب سے ہے  
 اگر شرر ہے تو بھڑکے جو پھول ہے تو کھلے  
 طرح طرح کی طلب تیرے رنگ لب سے ہے  
 کہاں گئے شب فرقت کے جاگنے والے  
 ستارہ سحری ہم کلام کب سے ہے  
 وفائے وعدہ نہیں وعدہ دگر بھی نہیں  
 وہ مجھ سے روٹھے تو تھے لیکن اس قدر بھی نہیں  
 برس رہی ہے حریم بوس میں دولت حسن  
 گدائے عشق کے کاسے میں اک نظر بھی نہیں  
 نہ جانے کس لیے امیدوار بیٹھا ہوں  
 اک ایسی راہ پہ جو تیری رہ گزر بھی نہیں  
 نگاہ شوق سر بزم ہے حجاب نہ ہو  
 وہ ہے خبر ہی سہی اتنے سے خبر بھی نہیں  
 یہ عہد ترک محبت ہے کس لیے آخر  
 سکون قلب ادھر بھی نہیں ادھر بھی نہیں  
 ہم نے سب شعر میں سنوارے تھے  
 ہم سے جتنے سخن تمہارے تھے  
 رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے  
 تم سے تھے جتنے استعارے تھے  
 تیرے قول و قرار سے پہلے  
 اپنے کچھ اور بھی سہارے تھے  
 جب وہ لعل و گہر حساب کیے  
 جو ترے غم نے دل پہ وارے تھے

میرے دامن میں آگرے سارے  
 جتنے طشت فلک میں تارے تھے  
 عمر جاوید کی دعا کرتے  
 فیض اتنے وہ کب ہمارے تھے  
 آج یوں موج در موج غم تھم گیا اس طرح غم زدوں کو قرار آ گیا  
 جیسے خوشبوئے زلف بہار آ گئی جیسے پیغام دیدار یار آ گیا  
 جس کی دید و طلب وہم سمجھے تھے ہم رو بہ رو پھر سر رہ گزار آ گیا  
 صبح فردا کو پھر دل ترسے لگا عمر رفتہ ترا اعتبار آ گیا  
 رت بدلنے لگی رنگ دل دیکھنا رنگ گلشن سے اب حال کھلتا نہیں  
 زخم چھلکا کوئی یا کوئی گل کھلا اشک امڑے کہ ابر بہار آ گیا  
 خون عشاق سے جام بھرنے لگے دل سلگنے لگے داغ جلنے لگے  
 محفل درد پھر رنگ پر آ گئی پھر شب آرزو پر نکھار آ گیا  
 سرفروشی کے انداز بدلے گئے دعوت قتل پر مقتل شہر میں  
 ڈال کر کوئی گردن میں طوق آ گیا لاد کر کوئی کاندھے پہ دار آ گیا  
 فیض کیا جانیے یار کس آس پر منتظر ہیں کہ لائے گا کوئی خبر  
 مے کشوں پر ہوا محتسب مہرباں دل فگاروں پہ قاتل کو پیار آ گیا  
 اب جو کوئی پوچھے بھی تو اس سے کیا شرح حالات کریں  
 دل ٹھہرے تو درد سنائیں درد تھمے تو بات کریں  
 شام ہوئی پھر جوش قدح نے بزم حریفان روشن کی  
 گھر کو آگ لگائیں ہم بھی روشن اپنی رات کریں  
 قتل دل و جاں اپنے سر بے اپنا لہو اپنی گردن پہ  
 مہر ہم لب بیٹھے ہیں کس کا شکوہ کس کے ساتھ کریں  
 بجر میں شب بھر درد و طلب کے چاند ستارے ساتھ رہے  
 صبح کی ویرانی میں یارو کیسے بسر اوقات کریں  
 ہر حقیقت مجاز ہو جائے  
 کافروں کی نماز ہو جائے  
 دل ربین نیاز ہو جائے  
 بیکسی کارساز ہو جائے  
 منت چارہ ساز کون کرے  
 درد جب جاں نواز ہو جائے  
 عشق دل میں رہے تو رسوا ہو  
 لب پہ آنے تو راز ہو جائے  
 لطف کا انتظار کرتا ہوں  
 جور تا حد ناز ہو جائے  
 عمر بے سود کٹ رہی ہے فیض  
 کاش افشائے راز ہو جائے  
 وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوف خدا گیا  
 وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیال روز جزا گیا  
 جو نفس تھا خار گلو بنا جو اٹھے تھے ہاتھ لہو ہوئے  
 وہ نشاط اہ سحر گئی وہ وقار دست دعا گیا  
 نہ وہ رنگ فصل بہار کا نہ روش وہ ابر بہار کی  
 جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاج باد صبا گیا  
 جو طلب پہ عہد وفا کیا تو وہ ابروئے وفا گئی  
 سر عام جب ہوئے مدعی تو ثواب صدق و صفا گیا  
 ابھی بادبان کو تہ رکھو ابھی مضطرب بے رخ ہوا  
 کسی راستے میں بے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا  
 سب قتل ہو کے تیرے مقابل سے آئے ہیں  
 ہم لوگ سرخ رو ہیں کہ منزل سے آئے ہیں  
 شمع نظر خیال کے انجم جگر کے داغ  
 جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

اٹھ کر تو آگئے ہیں تری بزم سے مگر  
 کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں  
 ہر اک قدم اجل تھا ہر اک گام زندگی  
 ہم گھوم پھر کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں  
 باد خزاں کا شکر کرو فیض جس کے ہاتھ  
 نامے کسی بہار شمائل سے آئے ہیں  
 ہم مسافر یوں ہی مصروف سفر جائیں گے  
 بے نشان ہو گئے جب شہر تو گھر جائیں گے  
 کس قدر ہوگا یہاں مہر و وفا کا ماتم  
 ہم تری یاد سے جس روز اتر جائیں گے  
 جوہری بند کئے جاتے ہیں بازار سخن  
 ہم کسے بیچنے الماس و گہر جائیں گے  
 نعمت زیست کا یہ فرض چکے گا کیسے  
 لاکھ گھبرا کے ہم کہتے رہیں مر جائیں گے  
 شاید اپنا بھی کوئی بیت حدی خواں بن کر  
 ساتھ جائے گا مرے یار جدھر جائیں گے  
 فیض آئے ہیں رہ عشق میں جو سخت مقام  
 آئے والوں سے کہو ہم تو گزر جائیں گے  
 اب وہی حرف جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے  
 جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے  
 آج تک شیخ کے اکرام میں جو شے تھی حرام  
 اب وہی دشمن دیں راحت جاں ٹھہری ہے  
 بے خبر گرم کہ پھرتا ہے گریزاں ناصح  
 گفتگو آج سر کوئے بتاں ٹھہری ہے  
 بے وہی عارض لیلیٰ وہی شیریں کا دہن  
 نگہ شوق گھڑی بھر کو جہاں ٹھہری ہے  
 وصل کی شب تھی تو کس درجہ سبک گزری تھی  
 بجر کی شب ہے تو کیا سخت گراں ٹھہری ہے  
 بکھری اک بار تو ہاتھ آئی ہے کب موج شمیم  
 دل سے نکلی ہے تو کب لب پہ فغاں ٹھہری ہے  
 دست صیاد بھی عاجز ہے کف گلچیں بھی  
 بوئے گل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے  
 آتے آتے یوں ہی دم بھر کو رکی ہوگی بہار  
 جاتے جاتے یوں ہی پل بھر کو خزاں ٹھہری ہے  
 ہم نے جو طرز فغاں کی ہے قفس میں ایجاد  
 فیض گلشن میں وہی طرز بیان ٹھہری ہے  
 ہمت التجا نہیں باقی  
 ضبط کا حوصلہ نہیں باقی  
 اک تری دید چھن گئی مجھ سے  
 ورنہ دنیا میں کیا نہیں باقی  
 اپنی مشق ستم سے ہاتھ نہ کھینچ  
 میں نہیں یا وفا نہیں باقی  
 تیری چشم الم نواز کی خیر  
 دل میں کوئی گلا نہیں باقی  
 ہو چکا ختم عہد بجر و وصال  
 زندگی میں مزا نہیں باقی  
 نہ اب رقیب نہ ناصح نہ غم گسار کوئی  
 تم آشنا تھے تو تھیں آشنائیاں کیا کیا  
 جدا تھے ہم تو میسر تھیں قربتیں کتنی  
 بہم ہوئے تو پڑی ہیں جدائیاں کیا کیا

پہنچ کے در پہ ترے کتنے معتبر ٹھہرے  
 اگرچہ رہ میں ہوئیں جگ ہنسائیاں کیا کیا  
 ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے  
 بتوں نے کی ہیں جہاں میں خدائیاں کیا کیا  
 ستم پہ خوش کبھی لطف و کرم سے رنجیدہ  
 سکھائیں تم نے ہمیں کچ ادائیاں کیا کیا  
 چاند نکلے کسی جانب تری زیبائی کا  
 رنگ بدلے کسی صورت شب تنہائی کا  
 دولت لب سے بھر اے خسرو شیریں دہناں  
 آج ارزاں ہو کوئی حرف شناسانی کا  
 گرمی رشک سے ہر انجمن گل بدناں  
 تذکرہ چھیڑے تری پیرن آرائی کا  
 صحن گلشن میں کبھی اے شہ شمشاد قداس  
 پھر نظر آئے سلیقہ تری رعنائی کا  
 ایک بار اور مسیحائے دل دل زدگاں  
 کوئی وعدہ کوئی اقرار مسیحائی کا  
 دیدہ و دل کو سنبھالو کہ سر شام فراق  
 ساز و سامان بہم پہنچا ہے رسوائی کا  
 سبھی کچھ ہے تیرا دیا ہوا سبھی راحتیں سبھی کلفتیں  
 کبھی صحبتیں کبھی فرقتیں کبھی دوریاں کبھی قربتیں  
 یہ سخن جو ہم نے رقم کیے یہ ہیں سب ورق تری یاد کے  
 کوئی لمحہ صبح وصال کا کوئی شام ہجر کی مدتیں  
 جو تمہاری مان لیں ناصحا تو رہے گا دامن دل میں کیا  
 نہ کسی عدو کی عداوتیں نہ کسی صنم کی مروبتیں  
 چلو آؤ تم کو دکھائیں ہم جو بچا ہے مقتل شہر میں  
 یہ مزار اہل صفا کے ہیں یہ ہیں اہل صدق کی تربتیں  
 مری جان آج کا غم نہ کر کہ نہ جانے کاتب وقت نے  
 کسی اپنے کل میں بھی بھول کر کہیں لکھ رکھی ہوں مسرتیں  
 اب کے برس دستور ستم میں کیا کیا باب ایزاد ہوئے  
 جو قاتل تھے مقتول ہوئے جو صید تھے اب صیاد ہوئے  
 پہلے بھی خزاں میں باغ اجڑے پر یوں نہیں جیسے اب کے برس  
 سارے ہوئے پتہ پتہ روش روش برباد ہوئے  
 پہلے بھی طواف شمع وفا تھی رسم محبت والوں کی  
 ہم تم سے پہلے بھی یہاں منصور ہوئے فرہاد ہوئے  
 اک گل کے مرجھانے پر کیا گلشن میں کہرام مچا  
 اک چہرہ کمہلا جانے سے کتنے دل ناشاد ہوئے  
 فیض نہ ہم یوسف نہ کوئی یعقوب جو ہم کو یاد کرے  
 اپنی کیا کنعاں میں رہے یا مصر میں جا آباد ہوئے  
 گرمی شوق نظارہ کا اثر تو دیکھو  
 گل کھلے جاتے ہیں وہ سایہ تر تو دیکھو  
 ایسے ناداں بھی نہ تھے جاں سے گزرنے والے  
 ناصحو پند گرو راہ گزر تو دیکھو  
 وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے  
 اک نظر تم مرا محبوب نظر تو دیکھو  
 وہ جو اب چاک گریباں بھی نہیں کرتے ہیں  
 دیکھنے والو کبھی ان کا جگر تو دیکھو  
 دامن درد کو گلزار بنا رکھا ہے  
 آؤ اک دن دل پر خوں کا ہنر تو دیکھو  
 صبح کی طرح جھمکتا ہے شب غم کا افق  
 فیض تابندگی دیدہ تر تو دیکھو



شیخ صاحب سے رسم و راہ نہ کی  
 شکر ہے زندگی تباہ نہ کی  
 تجھ کو دیکھا تو سیر چشم ہوئے  
 تجھ کو چاہا تو اور چاہ نہ کی  
 تیرے دست ستم کا عجز نہیں  
 دل ہی کافر تھا جس نے آہ نہ کی  
 تھے شب بجر کام اور بہت  
 ہم نے فکر دل تباہ نہ کی  
 کون قاتل بچا ہے شہر میں فیض  
 جس سے یاروں نے رسم و راہ نہ کی  
 قرض نگاہ یار ادا کر چکے ہیں ہم  
 سب کچھ نثار راہ وفا کر چکے ہیں ہم  
 کچھ امتحان دست جفا کر چکے ہیں ہم  
 کچھ ان کی دسترس کا پتا کر چکے ہیں ہم  
 اب احتیاط کی کوئی صورت نہیں رہی  
 قاتل سے رسم و راہ سوا کر چکے ہیں ہم  
 دیکھیں بے کون کون ضرورت نہیں رہی  
 کوئے ستم میں سب کو خفا کر چکے ہیں ہم  
 اب اپنا اختیار ہے چاہے جہاں چلیں  
 رہبر سے اپنی راہ جدا کر چکے ہیں ہم  
 ان کی نظر میں کیا کریں پھیکا ہے اب بھی رنگ  
 جتنا لہو تھا صرف قبا کر چکے ہیں ہم  
 کچھ اپنے دل کی خو کا بھی شکرانہ چاہیے  
 سو بار ان کی خو کا گلا کر چکے ہیں ہم  
 یوں سجا چاند کہ جھلکا ترے انداز کا رنگ  
 یوں فضا مہکی کہ بدلا مرے ہم راز کا رنگ  
 سایہ چشم میں حیراں رخ روشن کا جمال  
 سرخ لب میں پریشاں تری آواز کا رنگ  
 بے پیے ہوں کہ اگر لطف کرو آخر شب  
 شیشہ مے میں ڈھلے صبح کے آغاز کا رنگ  
 چنگ و نے رنگ پہ تھے اپنے لہو کے دم سے  
 دل نے لے بدلی تو مدھم ہوا ہر ساز کا رنگ  
 اک سخن اور کہ پھر رنگ نکلم تیرا  
 حرف سادہ کو عنایت کرے اعجاز کا رنگ  
 یہ جفائے غم کا چارہ وہ نجات دل کا عالم  
 ترا حسن دست عیسیٰ تری یاد روئے مریم  
 دل و جاں فدائے راہے کبھی آ کے دیکھ ہم  
 سر کوئے دل فگاروں شب آرزو کا عالم  
 تری دید سے سوا ہے ترے شوق میں بہاراں  
 وہ چمن جہاں گری ہے ترے گیسوؤں کی شبیم  
 یہ عجب قیامتیں ہیں ترے رہ گزر میں گزراں  
 نہ ہوا کہ مر مٹیں ہم نہ ہوا کہ جی اٹھیں ہم  
 لو سنی گئی ہماری یوں پھرے ہیں دن کہ پھر سے  
 وہی گوشہ قفس ہے وہی فصل گل کا ماتم  
 یہ کس خلیش نے پھر اس دل میں آشیانہ کیا  
 پھر آج کس نے سخن ہم سے غائبانہ کیا  
 غم جہاں ہو رخ یار ہو کہ دست عدو  
 سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا  
 تھے خاک راہ بھی ہم لوگ قہر طوفان بھی  
 سہا تو کیا نہ سہا اور کیا تو کیا نہ کیا

خوشا کہ آج ہر اک مدعی کے لب پر ہے  
 وہ راز جس نے ہمیں راندۂ زمانہ کیا  
 وہ حیلہ گر جو وفا جو بھی ہے جفا جو بھی  
 کیا بھی فیض تو کس بت سے دوستانہ کیا  
 کبھی کبھی یاد میں ابھرتے ہیں نقش ماضی مٹے مٹے سے  
 وہ آزمائش دل و نظر کی وہ قربتیں سی وہ فاصلے سے  
 کبھی کبھی آرزو کے صحرا میں آ کے رکتے ہیں قافلے سے  
 وہ ساری باتیں لگاؤ کی سی وہ سارے عنوان وصال کے سے  
 نگاہ و دل کو قرار کیسا نشاط و غم میں کمی کہاں کی  
 وہ جب ملے ہیں تو ان سے ہر بار کی ہے الفت نئے سرے سے  
 بہت گراں ہے یہ عیش تنہا کہیں سبک تر کہیں گوارا  
 وہ درد پنہاں کہ ساری دنیا رفیق تھی جس کے واسطے سے  
 تمہیں کہو رند و محتسب میں ہے آج شب کون فرق ایسا  
 یہ آ کے بیٹھے ہیں میکدے میں وہ اٹھ کے آئے ہیں میکدے سے  
 عشق منت کش قرار نہیں  
 حسن مجبور انتظار نہیں  
 تیری رنجش کی انتہا معلوم  
 حسرتوں کا مری شمار نہیں  
 اپنی نظریں بکھیر دے ساقی  
 مے بہ اندازۂ خمار نہیں  
 زیر لب ہے ابھی تبسم دوست  
 منتشر جلوۂ بہار نہیں  
 اپنی تکمیل کر رہا ہوں میں  
 ورنہ تجھ سے تو مجھ کو پیار نہیں  
 چارۂ انتظار کون کرے  
 تیری نفرت بھی استوار نہیں  
 فیض زندہ رہیں وہ ہیں تو سہی  
 کیا ہوا گر وفا شعار نہیں  
 پھر حریف بہار ہو بیٹھے  
 جانے کس کس کو آج رو بیٹھے  
 تھی مگر اتنی رائیگاں بھی نہ تھی  
 آج کچھ زندگی سے کہو بیٹھے  
 تیرے در تک پہنچ کے لوٹ آئے  
 عشق کی آبرو ڈبو بیٹھے  
 ساری دنیا سے دور ہو جائے  
 جو ذرا تیرے پاس ہو بیٹھے  
 نہ گئی تیری ہے رخی نہ گئی  
 ہم تری آرزو بھی کہو بیٹھے  
 فیض ہوتا رہے جو ہوتا ہے  
 شعر لکھتے رہا کرو بیٹھے  
 دربار میں اب سطوت شاہی کی علامت  
 درباں کا عصا ہے کہ مصنف کا قلم ہے  
 آوارہ ہے پھر کوہ ندا پر جو بشارت  
 تمہید مسرت ہے کہ طول شب غم ہے  
 جس دھجی کو گلیوں میں لیے پھرتے ہیں طفلان  
 یہ میرا گریباں ہے کہ لشکر کا علم ہے  
 جس نور سے ہے شہر کی دیوار درخشاں  
 یہ خون شہیداں ہے کہ زر خانہ جم ہے  
 حلقہ کیے بیٹھے رہو اک شمع کو یارو  
 کچھ روشنی باقی تو ہے ہر چند کہ کم ہے

گو سب کو بہم ساغر و بادہ تو نہیں تھا  
 یہ شہر اداس اتنا زیادہ تو نہیں تھا  
 گلیوں میں پھرا کرتے تھے دو چار دوانے  
 ہر شخص کا صد چاک لبادہ تو نہیں تھا  
 منزل کو نہ پہچانے رہ عشق کا راہی  
 ناداں ہی سہی ایسا بھی سادہ تو نہیں تھا  
 تھک کر یوں ہی پل بھر کے لیے آنکھ لگی تھی  
 سو کر ہی نہ اٹھیں یہ ارادہ تو نہیں تھا  
 واعظ سے رہ و رسم رہی رند سے صحبت  
 فرق ان میں کوئی اتنا زیادہ تو نہیں تھا  
 رہ خزاں میں تلاش بہار کرتے رہے  
 شب سیم سے طلب حسن یار کرتے رہے  
 خیال یار کبھی ذکر یار کرتے رہے  
 اسی متاع پہ ہم روزگار کرتے رہے  
 نہیں شکایت بچراں کہ اس وسیلے سے  
 ہم ان سے رشتہ دل استوار کرتے رہے  
 وہ دن کہ کوئی بھی جب وجہ انتظار نہ تھی  
 ہم ان میں تیرا سوا انتظار کرتے رہے  
 ہم اپنے راز پہ نازاں تھے شرمسار نہ تھے  
 ہر ایک سے سخن راز دار کرتے رہے  
 ضیائے بزم جہاں بار بار ماند ہوئی  
 حدیث شعلہ رخاں بار بار کرتے رہے  
 انہیں کے فیض سے بازار عقل روشن ہے  
 جو گاہ گاہ جنوں اختیار کرتے رہے  
 جمے گی کیسے بساط پاراں کہ شیشہ و جام بجھ گئے ہیں  
 سجے گی کیسے شب نگاراں کہ دل سر شام بجھ گئے ہیں  
 وہ تیرگی ہے رہ بتاں میں چراغ رخ ہے نہ شمع وعدہ  
 کرن کوئی آرزو کی لاؤ کہ سب در و بام بجھ گئے ہیں  
 بہت سنبھالا وفا کا پیماں مگر وہ برسی ہے اب کے برکھا  
 ہر ایک اقرار مٹ گیا ہے تمام پیغام بجھ گئے ہیں  
 قریب آئے مہ شب غم نظر پہ کھلتا نہیں کچھ اس دم  
 کہ دل پہ کس کس کا نقش باقی ہے کون سے نام بجھ گئے ہیں  
 بہار اب آ کے کیا کرے گی کہ جن سے تھا جشن رنگ و نغمہ  
 وہ گل سر شاخ جل گئے ہیں وہ دل تہ دام بجھ گئے ہیں  
 کچھ محتسبوں کی خلوت میں کچھ واعظ کے گھر جاتی ہے  
 ہم بادہ کشوں کے حصے کی اب جام میں کم تر جاتی ہے  
 یوں عرض و طلب سے کم آئے دل پتھر دل پانی بوتے ہیں  
 تم لاکھ رضا کی خو ڈالو کب خوئے ستم گر جاتی ہے  
 بیداد گروں کی بستی ہے یاں داد کہاں خیرات کہاں  
 سر پھوڑتی پھرتی ہے ناداں فریاد جو در در جاتی ہے  
 ہاں جاں کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن کیا کیجے  
 ہر رہ جو ادھر کو جاتی ہے مقتل سے گزر کر جاتی ہے  
 اب کوچہ دلبر کا رہ رو ریزن بھی بنے تو بات بنے  
 پہرے سے عدو ٹلتے ہی نہیں اور رات برابر جاتی ہے  
 ہم اہل قفس تنہا بھی نہیں ہر روز نسیم صبح وطن  
 یادوں سے معطر آتی ہے اشکوں سے منور جاتی ہے  
 چشم میگوں ذرا ادھر کر دے  
 دست قدرت کو ہے اثر کر دے  
 تیز ہے آج درد دل ساقی  
 تلخی مے کو تیز تر کر دے

جوش وحشت ہے تشنہ کام ابھی  
 چاک دامن کو تا جگر کر دے  
 میری قسمت سے کھیلنے والے  
 مجھ کو قسمت سے بے خبر کر دے  
 لٹ رہی ہے مری متاع نیاز  
 کاش وہ اس طرف نظر کر دے  
 فیض تکمیل آرزو معلوم  
 ہو سکے تو یوں ہی بسر کر دے  
 ہمیں سے اپنی نوا ہم کلام ہوتی رہی  
 یہ تیغ اپنے لہو میں نیام ہوتی رہی  
 مقابل صف اعدا جسے کیا آغاز  
 وہ جنگ اپنے ہی دل میں تمام ہوتی رہی  
 کوئی مسیحا نہ ایفائے عہد کو پہنچا  
 بہت تلاش پس قتل عام ہوتی رہی  
 یہ برہمن کا کرم وہ عطائے شیخ حرم  
 کبھی حیات کبھی مے حرام ہوتی رہی  
 جو کچھ بھی بن نہ پڑا فیض لٹ کے یاروں سے  
 تو رہزنوں سے دعا و سلام ہوتی رہی  
 کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسن دو عالم سے  
 مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی  
 کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا  
 مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی  
 نہیں جاتی متاع لعل و گوہر کی گراں یابی  
 متاع غیرت و ایمان کی ارزانی نہیں جاتی  
 مری چشم تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے  
 بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی  
 سر خسرو سے ناز کچ کلابی چھن بھی جاتا ہے  
 کلاہ خسروی سے ہوئے سلطانی نہیں جاتی  
 بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے  
 جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی  
 حیراں ہے جیبیں آج کدھر سجدہ روا ہے  
 سر پر ہیں خداوند سر عرش خدا ہے  
 کب تک اسے سینچو گے تمنائے ثمر میں  
 یہ صبر کا پودا تو نہ پھولا نہ پھلا ہے  
 ملتا ہے خراج اس کو تری نان جویں سے  
 ہر بادشہ وقت ترے در کا گدا ہے  
 ہر ایک عقوبت سے ہے تلخی میں سوا تر  
 وہ رنگ جو ناکردہ گناہوں کی سزا ہے  
 احسان لیے کتنے مسیحا نفسوں کے  
 کیا کیجیے دل کا نہ جلا ہے نہ بجھا ہے  
 کچھ پہلے ان آنکھوں آگے کیا کیا نہ نظارا گزرے تھا  
 کیا روشن ہو جاتی تھی گلی جب یار ہمارا گزرے تھا  
 تھے کتنے اچھے لوگ کہ جن کو اپنے غم سے فرصت تھی  
 سب پوچھیں تھے احوال جو کوئی درد کا مارا گزرے تھا  
 اب کے خزاں ایسی ٹھہری وہ سارے زمانے بھول گئے  
 جب موسم گل ہر پھیرے میں آ آ کے دوبارہ گزرے تھا  
 تھی یاروں کی بہتات تو ہم اغیار سے بھی بیزار نہ تھے  
 جب مل بیٹھے تو دشمن کا بھی ساتھ گوارا گزرے تھا  
 اب تو ہاتھ سجھائی نہ دیوے لیکن اب سے پہلے تو  
 آنکھ اٹھتے ہی ایک نظر میں عالم سارا گزرے تھا

حسن مربوں جوش بادۂ ناز  
 عشق منت کش فسوں نیاز  
 دل کا ہر تار لرزش پیہم  
 جاں کا ہر رشتہ وقف سوز و گداز  
 سوزش درد دل کسے معلوم  
 کون جانے کسی کے عشق کا راز  
 میری خاموشیوں میں لرزاں ہے  
 میرے نالوں کی گم شدہ آواز  
 بو چکا عشق اب بوس ہی سہی  
 کیا کریں فرض ہے ادائے نماز  
 تو ہے اور اک تغافل پیہم  
 میں ہوں اور انتظار ہے انداز  
 خوف ناکامی امید ہے فیض  
 ورنہ دل توڑ دے طلسم مجاز  
 ستم سکھائے گا رسم وفا ایسے نہیں ہوتا  
 صنم دکھلائیں گے راہ خدا ایسے نہیں ہوتا  
 گنو سب حسرتیں جو خوں ہوئی ہیں تن کے مقتل میں  
 مرے قاتل حساب خوں بہا ایسے نہیں ہوتا  
 جہان دل میں کام آتی ہیں تدبیریں نہ تعزیریں  
 یہاں پیمان تسلیم و رضا ایسے نہیں ہوتا  
 ہر اک شب ہر گھڑی گزرے قیامت یوں تو ہوتا ہے  
 مگر ہر صبح ہو روز جزا ایسے نہیں ہوتا  
 رواں ہے نبض دوراں گردشوں میں آسماں سارے  
 جو تم کہتے ہو سب کچھ ہو چکا ایسے نہیں ہوتا  
 حسرت دید میں گزراں ہیں زمانے کب سے  
 دشت امید میں گرداں ہیں دوانے کب سے  
 دیر سے آنکھ پہ اترا نہیں اشکوں کا عذاب  
 اپنے ذمے ہے ترا قرض نہ جانے کب سے  
 کس طرح پاک ہو ہے آرزو لمحوں کا حساب  
 درد آیا نہیں دربار سجانے کب سے  
 سر کرو ساز کہ چھیڑیں کوئی دل سوز غزل  
 ڈھونڈتا ہے دل شوریدہ بہانے کب سے  
 پر کرو جام کہ شاید ہو اسی لحظہ رواں  
 روک رکھا ہے جو اک تیر قضا نے کب سے  
 فیض پھر کب کسی مقتل میں کریں گے آباد  
 لب پہ ویراں ہیں شہیدوں کے فسانے کب سے  
 ستم کی رسمیں بہت تھیں لیکن نہ تھی تری انجمن سے پہلے  
 سزا خطائے نظر سے پہلے عتاب جرم سخن سے پہلے  
 جو چل سکو تو چلو کہ راہ وفا بہت مختصر ہوئی ہے  
 مقام ہے اب کوئی نہ منزل فراز دار و رسن سے پہلے  
 نہیں رہی اب جنوں کی زنجیر پر وہ پہلی اجارہ داری  
 گرفت کرتے ہیں کرنے والے خرد پہ دیوانہ پن سے پہلے  
 کرے کوئی تیغ کا نظارا اب ان کو یہ بھی نہیں گوارا  
 بضد ہے قاتل کہ جان بسمل فگار ہو جسم و تن سے پہلے  
 غرور سرو و سمن سے کہہ دو کہ پھر وہی تاجدار ہوں گے  
 جو خار و خس والی چمن تھے عروج سرو و سمن سے پہلے  
 ادھر تقاضے ہیں مصلحت کے ادھر تقاضائے درد دل ہے  
 زباں سنبھالیں کہ دل سنبھالیں اسیر ذکر وطن سے پہلے  
 تیری صورت جو دل نشیں کی ہے  
 آشنا شکل ہر حسین کی ہے

حسن سے دل لگا کے بستی کی  
 ہر گھڑی ہم نے آتشیں کی ہے  
 صبح گل ہو کہ شام مے خانہ  
 مدح اس روئے نازنین کی ہے  
 شیخ سے ہے ہر اس ملتے ہیں  
 ہم نے توبہ ابھی نہیں کی ہے  
 ذکر دوزخ بیان حور و قصور  
 بات گویا یہیں کہیں کی ہے  
 اشک تو کچھ بھی رنگ لا نہ سکے  
 خوں سے تر آج آستین کی ہے  
 کیسے مانیں حرم کے سہل پسند  
 رسم جو عاشقوں کے دیں کی ہے  
 فیضِ اوج خیال سے ہم نے  
 آسمان سندھ کی زمیں کی ہے  
 نہ کسی پہ زخم عیاں کوئی نہ کسی کو فکر رفو کی ہے  
 نہ کرم ہے ہم پہ حبیب کا نہ نگاہ ہم پہ عدو کی ہے  
 صف زابداں ہے تو ہے یقیں صف مے کشاں ہے تو ہے طلب  
 نہ وہ صبح ورد و وضو کی ہے نہ وہ شام جام و سبو کی ہے  
 نہ یہ غم نیا نہ ستم نیا کہ تری جفا کا گلا کریں  
 یہ نظر تھی پہلے بھی مضطرب یہ کسک تو دل میں کبھو کی ہے  
 کف باغیاں پہ بہار گل کا ہے قرض پہلے سے بیشتر  
 کہ ہر ایک پھول کے پیرین میں نمود میرے لہو کی ہے  
 نہیں خوف روز سیہ ہمیں کہ ہے فیضِ ظرف نگاہ میں  
 ابھی گوشہ گیر وہ اک کرن جو لگن اس آئینہ رو کی ہے  
 ہم سادہ ہی ایسے تھے کی یوں ہی پذیرائی  
 جس بار خزاں آئی سمجھے کہ بہار آئی  
 آشوب نظر سے کی ہم نے چمن آرائی  
 جو شے بھی نظر آئی گل رنگ نظر آئی  
 امید تلطف میں رنجیدہ رہے دونوں  
 تو اور تری محفل میں اور مری تنہائی  
 یک جان نہ ہو سکیے انجان نہ بن سکیے  
 یوں ٹوٹ گئی دل میں شمشیر شناسائی  
 اس تن کی طرف دیکھو جو قتل گمہ دل ہے  
 کیا رکھا ہے مقتل میں اے چشم تماشاں  
 یاد غزال چشماں ذکر سمن عذاراں  
 جب چاہا کر لیا ہے کنج قفس بہاراں  
 آنکھوں میں درد مندی ہوئوں پہ عذر خواہی  
 جانانہ وار آئی شام فراق یاراں  
 ناموس جان و دل کی بازی لگی تھی ورنہ  
 آساں نہ تھی کچھ ایسی راہ وفا شعاراں  
 مجرم ہو خواہ کوئی رہتا ہے ناصحوں کا  
 روئے سخن ہمیشہ سوئے جگر فگاراں  
 ہے اب بھی وقت زاہد ترمیم زہد کر لے  
 سوئے حرم چلا ہے انبوہ بادہ خواراں  
 شاید قریب پہنچی صبح وصال ہمدم  
 موج صبا لیے ہے خوشبوئے خوش کناراں  
 ہے اپنی کشت ویراں سرسبز اس یقیں سے  
 آئیں گے اس طرف بھی اک روز ابر و باراں  
 آئے گی فیضِ اک دن باد بہار لے کر  
 تسلیم مے فروشاں پیغام مے گساراں

گرانی شب بچراں دو چند کیا کرتے  
 علاج درد ترے دردمند کیا کرتے  
 وہیں لگی ہے جو نازک مقام تھے دل کے  
 یہ فرق دست عدو کے گزند کیا کرتے  
 جگہ جگہ پہ تھے ناصح تو کو بہ کو دلبر  
 انہیں پسند انہیں ناپسند کیا کرتے  
 ہمیں نے روک لیا پنجنہ جنوں ورنہ  
 ہمیں اسیر یہ کوتہ کمند کیا کرتے  
 جنہیں خبر تھی کہ شرط نواگری کیا ہے  
 وہ خوش نوا گلہ قید و بند کیا کرتے  
 گلوئے عشق کو دار و رسن پہنچ نہ سکے  
 تو لوٹ آئے ترے سر بلند کیا کرتے  
 فکر دل داری گلزار کروں یا نہ کروں  
 ذکر مرغان گرفتار کروں یا نہ کروں  
 قصہ سازش اغیار کہوں یا نہ کہوں  
 شکوہ یار طرحدار کروں یا نہ کروں  
 جانے کیا وضع ہے اب رسم وفا کی اے دل  
 وضع دیرینہ پہ اصرار کروں یا نہ کروں  
 جانے کس رنگ میں تفسیر کریں اہل ہوس  
 مدح زلف و لب و رخسار کروں یا نہ کروں  
 یوں بہار آئی ہے امسال کہ گلشن میں صبا  
 پوچھتی ہے گزر اس بار کروں یا نہ کروں  
 گویا اس سوچ میں ہے دل میں لہو بھر کے گلاب  
 دامن و جیب کو گلنار کروں یا نہ کروں  
 بے فقط مرغ غزل خواں کہ جسے فکر نہیں  
 معتدل گرمی گفتار کروں یا نہ کروں  
 تجھے پکارا ہے بے ارادہ  
 جو دل دکھا ہے بہت زیادہ  
 ندیم ہو تیرا حرف شیریں  
 تو رنگ پر آئے رنگ بادہ  
 عطا کرو اک ادائے دیریں  
 تو اشک سے تر کریں لبادہ  
 نہ جانے کس دن سے منتظر ہے  
 دل سر رہ گزر فتادہ  
 کہ ایک دن پھر نظر میں آئے  
 وہ بام روشن وہ در کشادہ  
 وہ آئے پرسش کو پھر سچائے  
 قبائے رنگیں ادائے سادہ  
 شرح فراق مدح لب مشکبو کریں  
 غربت کدے میں کس سے تری گفتگو کریں  
 یار آشنا نہیں کوئی ٹکرائیں کس سے جام  
 کس دل ربا کے نام پہ خالی سبو کریں  
 سینے پہ ہاتھ ہے نہ نظر کو تلاش بام  
 دل ساتھ دے تو آج غم آرزو کریں  
 کب تک سنے گی رات کہاں تک سنائیں ہم  
 شکوے گلے سب آج ترے روبرو کریں  
 ہمدم حدیث کوئے ملامت سنائیو  
 دل کو لہو کریں یا گریباں رفو کریں  
 آشفتمہ سر ہیں محتسبو منہ نہ آئیو  
 سر بیچ دیں تو فکر دل و جاں عدو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو  
 دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں  
 یاد کا پھر کوئی دروازہ کھلا آخر شب  
 دل میں بکھری کوئی خوشبوئے قبا آخر شب  
 صبح پھوٹی تو وہ پہلو سے اٹھا آخر شب  
 وہ جو اک عمر سے آیا نہ گیا آخر شب  
 چاند سے ماند ستاروں نے کہا آخر شب  
 کون کرتا ہے وفا عہد وفا آخر شب  
 لمس جانانہ لیے مستی پیمانہ لیے  
 حمد باری کو اٹھے دست دعا آخر شب  
 گھر جو ویراں تھا سر شام وہ کیسے کیسے  
 فرقت یار نے آباد کیا آخر شب  
 جس ادا سے کوئی آیا تھا کبھی اول شب  
 اسی انداز سے چل باد صبا آخر شب  
 ہر سمت پریشاں تری آمد کے قرینے  
 دھوکے دئیے کیا کیا ہمیں باد سحری نے  
 ہر منزل غربت پہ گماں ہوتا ہے گھر کا  
 بہلایا ہے ہر گام بہت در بدری نے  
 تھے بزم میں سب دود سر بزم سے شاداں  
 بیکار جلایا ہمیں روشن نظری نے  
 مے خانے میں عاجز ہوئے ازردہ دلی سے  
 مسجد کا نہ رکھا ہمیں آشتی سری نے  
 یہ جامہ صد چاک بدل لینے میں کیا تھا  
 مہلت ہی نہ دی فیض کبھی بخیر گری نے  
 صبح کی آج جو رنگت ہے وہ پہلے تو نہ تھی  
 کیا خبر آج خراماں سر گلزار ہے کون  
 شام گلنار ہوئی جاتی ہے دیکھو تو سہی  
 یہ جو نکلا ہے لیے مشعل رخسار ہے کون  
 رات مہکی ہوئی آئی ہے کہیں سے پوچھو  
 آج بکھرائے ہوئے زلف طرحدار ہے کون  
 پھر در دل پہ کوئی دینے لگا ہے دستک  
 جانے پھر دل وحشی کا طلب گار ہے کون  
 کس حرف پہ تو نے گوشہ لب اے جان جہاں غماز کیا  
 اعلان جنوں دل والوں نے اب کے بہ ہزار انداز کیا  
 سو پیکاں تھے پیوست گلو جب چھیڑی شوق کی لے ہم نے  
 سو تیر ترازو تھے دل میں جب ہم نے رقص آغاز کیا  
 بے حرص و ہوا بے خوف و خطر اس باتھ پہ سر اس کف پہ جگر  
 یوں کوئے صنم میں وقت سفر نظارہ بام ناز کیا  
 جس خاک میں مل کر خاک ہوئے وہ سرمہ چشم خلق بنی  
 جس خار پہ ہم نے خوں چھڑکا ہم رنگ گل طناز کیا  
 لو وصل کی ساعت آ پہنچی پھر حکم حضوری پر ہم نے  
 آنکھوں کے دریچے بند کیے اور سینے کا در باز کیا  
 سہل یوں راہ زندگی کی ہے  
 ہر قدم ہم نے عاشقی کی ہے  
 ہم نے دل میں سجا لیے گلشن  
 جب بہاروں نے بے رخی کی ہے  
 زہر سے دھو لیے ہیں بونٹ اپنے  
 لطف ساقی نے جب کمی کی ہے  
 تیرے کوچے میں بادشاہی کی  
 جب سے نکلے گداگری کی ہے



بس وہی سرخ رو ہوا جس نے  
 بحر خوں میں شناوری کی ہے  
 جو گزرتے تھے داغ پر صدمے  
 اب وہی کیفیت سبھی کی ہے  
 وہیں ہیں دل کے قرائن تمام کہتے ہیں  
 وہ اک خلش کہ جسے تیرا نام کہتے ہیں  
 تم آ رہے ہو کہ بختی ہیں میری زنجیریں  
 نہ جانے کیا مرے دیوار و بام کہتے ہیں  
 یہی کنار فلک کا سیہ تریں گوشہ  
 یہی ہے مطلع ماہ تمام کہتے ہیں  
 پیو کہ مفت لگا دی ہے خون دل کی کشید  
 گراں ہے اب کے منے لالہ فام کہتے ہیں  
 فقیہ شہر سے مے کا جواز کیا پوچھیں  
 کہ چاندنی کو بھی حضرت حرام کہتے ہیں  
 نوائے مرغ کو کہتے ہیں اب زیان چمن  
 کھلے نہ پھول اسے انتظام کہتے ہیں  
 کہو تو ہم بھی چلیں فیض اب نہیں سر دار  
 وہ فرق مرتبہ خاص و عام کہتے ہیں  
 شفق کی راکھ میں جل بجھ گیا ستارہ شام  
 شب فراق کے گیسو فضا میں لہرائے  
 کوئی پکارو کہ اک عمر ہوئے ائی ہے  
 فلک کو قافلہ روز و شام ٹھہرائے  
 یہ ضد ہے یاد حریفان بادہ پیما کی  
 کہ شب کو چاند نہ نکلے نہ دن کو ابر آئے  
 صبا نے پھر در زنداں پہ آ کے دی دستک  
 سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے  
 کیے آرزو سے پیماں جو مال تک نہ پہنچے  
 شب و روز آشنائی مہ و سال تک نہ پہنچے  
 وہ نظر بہم نہ پہنچی کہ محیط حسن کرتے  
 تری دید کے وسیلے خد و خال تک نہ پہنچے  
 وہی چشمہ بقا تھا جسے سب سراب سمجھے  
 وہی خواب معتبر تھے جو خیال تک نہ پہنچے  
 ترا لطف و جہم تسکین نہ قرار شرح غم سے  
 کہ ہیں دل میں وہ گلے بھی جو ملال تک نہ پہنچے  
 کوئی یار جاں سے گزرا کوئی بوش سے نہ گزرا  
 یہ ندیم یک دو ساغر مرے حال تک نہ پہنچے  
 چلو فیض دل جلائیں کریں پھر سے عرض جاناں  
 وہ سخن جو لب تک آئے پہ سوال تک نہ پہنچے  
 کسی گماں پہ توقع زیادہ رکھتے ہیں  
 پھر آج کوئے بتاں کا ارادہ رکھتے ہیں  
 بہار آئے گی جب آئے گی یہ شرط نہیں  
 کہ تشنہ کام رہیں گرچہ بادہ رکھتے ہیں  
 تری نظر کا گلہ کیا جو ہے گلہ دل کا  
 تو ہم سے ہے کہ تمنا زیادہ رکھتے ہیں  
 نہیں شراب سے رنگیں تو غرق خوں ہیں کہ ہم  
 خیال وضع قمیص و لبادہ رکھتے ہیں  
 غم جہاں ہو غم یار ہو کہ تیر ستم  
 جو آئے آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں  
 جواب واعظ چابک زباں میں فیض ہمیں  
 یہی بہت ہیں جو دو حرف سادہ رکھتے ہیں

کچھ دن سے انتظار سوال دگر میں ہے  
 وہ مضمحل حیا جو کسی کی نظر میں ہے  
 سیکھی یہیں مرے دل کافر نے بندگی  
 رب کریم ہے تو تری رہ گزر میں ہے  
 ماضی میں جو مزا مری شام و سحر میں تھا  
 اب وہ فقط تصور شام و سحر میں ہے  
 کیا جانے کس کو کس سے ہے اب داد کی طلب  
 وہ غم جو میرے دل میں ہے تیری نظر میں ہے  
 شاخ پر خون گل رواں ہے وہی  
 شوخ رنگ گلستاں ہے وہی  
 سر وہی ہے تو آستاں ہے وہی  
 جاں وہی ہے تو جان جاں ہے وہی  
 اب جہاں مہرباں نہیں کوئی  
 کوچہ یار مہرباں ہے وہی  
 برق سو بار گر کے خاک ہوئی  
 رونق خاک آشیاں ہے وہی  
 آج کی شب وصال کی شب ہے  
 دل سے ہر روز داستاں ہے وہی  
 چاند تارے ادھر نہیں آتے  
 ورنہ زنداں میں آسماں ہے وہی  
 یہ موسم گل گرچہ طرب خیز بہت ہے  
 احوال گل و لالہ غم انگیز بہت ہے  
 خوش دعوت یاراں بھی ہے یلغار عدو بھی  
 کیا کیجیے دل کا جو کم آمیز بہت ہے  
 یوں پیر مغاں شیخ حرم سے ہوئے یک جاں  
 مے خانے میں کم ظرفی پرہیز بہت ہے  
 اک گردن مخلوق جو ہر حال میں خم ہے  
 اک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے  
 کیوں مشعل دل فیض چھپاؤ نہ داماں  
 بجھ جائے گی یوں بھی کہ ہوا تیز بہت ہے  
 کس شہر نہ شہرہ ہوا نادانئ دل کا  
 کس پر نہ کھلا راز پریشانی دل کا  
 او کریں محفل پہ زر زخم نمایاں  
 چرچا ہے بہت ہے سر و سامانی دل کا  
 دیکھ اٹیں چلو کوئے نگاراں کا خرابہ  
 شاید کوئی محرم ملے ویرانی دل کا  
 پوچھو تو ادھر تیر فگن کون ہے یارو  
 سونپا تھا جسے کام نگہبانی دل کا  
 دیکھو تو کدھر آج رخ باد صبا ہے  
 کس رہ سے پیام آیا ہے زندانی دل کا  
 اترے تھے کبھی فیض وہ آئینہ دل میں  
 عالم ہے وہی آج بھی حیرانی دل کا  
 وہ عہد غم کی کابش بائے ہے حاصل کو کیا سمجھے  
 جو ان کی مختصر روداد بھی صبر آزما سمجھے  
 یہاں وابستگی واں برہمی کیا جانیے کیوں ہے  
 نہ ہم اپنی نظر سمجھے نہ ہم ان کی ادا سمجھے  
 فریب آرزو کی سہل انگاری نہیں جاتی  
 ہم اپنے دل کی دھڑکن کو تری آواز پا سمجھے  
 تمہاری ہر نظر سے منسلک ہے رشتہ بستی  
 مگر یہ دور کی باتیں کوئی نادان کیا سمجھے

نہ پوچھو عہد الفت کی بس اک خواب پریشاں تھا  
نہ دل کو راہ پر لانے نہ دل کا مدعا سمجھے  
پھر اُنینہ عالم شاید کہ نکھر جائے  
پھر اپنی نظر شاید تا حد نظر جائے  
صحرا پہ لگے پہرے اور قفل پڑے بن پر  
اب شہر بدر ہو کر دیوانہ کدھر جائے  
خاک رہ جاناں پر کچھ خوں تھا گرو اپنا  
اس فصل میں ممکن ہے یہ قرض اتر جائے  
دیکھ آئیں چلو ہم بھی جس بزم میں سنتے ہیں  
جو خندہ ہم لب آئے وہ خاک بسر جائے  
یا خوف سے در گزریں یا جاں سے گزر جائیں  
مرنا ہے کہ جینا ہے اک بات ٹھہر جائے  
عجز اہل ستم کی بات کرو  
عشق کے دم قدم کی بات کرو  
بزم اہل طرب کو شرماء  
بزم اصحاب غم کی بات کرو  
بزم ثروت کے خوش نشینوں سے  
عظمت چشم نم کی بات کرو  
بے وہی بات یوں بھی اور یوں بھی  
تم ستم یا کرم کی بات کرو  
خیر ہیں اہل دیر جیسے ہیں  
آپ اہل حرم کی بات کرو  
بجر کی شب تو کٹ ہی جائے گی  
روز وصل صنم کی بات کرو  
جان جائیں گے جاننے والے  
فیض فرہاد و جم کی بات کرو  
پھر لوٹا ہے خورشید جہاں تاب سفر سے  
پھر نور سحر دست و گریباں ہے سحر سے  
پھر آگ بھڑکنے لگی ہر ساز طرب میں  
پھر شعلے لپکنے لگے ہر دیدہ تر سے  
پھر نکلا ہے دیوانہ کوئی پھونک کے گھر کو  
کچھ کہتی ہے ہر راہ ہر اک راہ گزر سے  
وہ رنگ ہے امسال گلستاں کی فضا کا  
اوجھل ہوئی دیوار قفس حد نظر سے  
ساغر تو کھنکے ہیں شراب آئے نہ آئے  
بادل تو گرجتے ہیں گھٹا برسے نہ برسے  
پاپوش کی کیا فکر ہے دستار سنبھالا  
پایاب ہے جو موج گزر جائے گی سر سے  
یوں بہار آئی ہے اس بار کہ جیسے قاصد  
کوچہ یار سے ہے نیل مرام آتا ہے  
ہر کوئی شہر میں پھرتا ہے سلامت دامن  
رند مے خانے سے شائستہ خرام آتا ہے  
بوس مطرب و ساقی میں پریشاں اکثر  
ابر آتا ہے کبھی ماہ تمام آتا ہے  
شوق والوں کی حزیں محفل شب میں اب بھی  
آمد صبح کی صورت ترا نام آتا ہے  
اب بھی اعلان سحر کرتا ہوا مست کوئی  
داغ دل کر کے فروزاں سر شام آتا ہے  
شرح ہے دردِ حالات نہ ہونے پائی  
اب کے بھی دل کی مدارات نہ ہونے پائی

پھر وہی وعدہ جو اقرار نہ بننے پایا  
 پھر وہی بات جو اثبات نہ ہونے پائی  
 پھر وہ پروانے جنہیں اذن شہادت نہ ملا  
 پھر وہ شمعیں کہ جنہیں رات نہ ہونے پائی  
 پھر وہی جاں بلی لذت مے سے پہلے  
 پھر وہ محفل جو خرابات نہ ہونے پائی  
 پھر دم دید رہے چشم و نظر دید طلب  
 پھر شب وصل ملاقات نہ ہونے پائی  
 پھر وہاں باب اثر جائے کب بند ہوا  
 پھر یہاں ختم مناجات نہ ہونے پائی  
 فیض سر پر جو ہر اک روز قیامت گزری  
 ایک بھی روز مکافات نہ ہونے پائی  
 غم ہم دل شکر ہم لب مست و غزل خواں چلیے  
 جب تلک ساتھ ترے عمر گریزاں چلیے  
 رحمت حق سے جو اس سمت کبھی راہ ملے  
 سوئے جنت بھی براہ رہ جاننا چلیے  
 نذر مانگے جو گلستاں سے خداوند جہاں  
 ساغر مے میں لیے خون بہاراں چلیے  
 جب ستانے لگے بے رنگی دیوار جہاں  
 نقش کرنے کوئی تصویر حسیناں چلیے  
 کچھ بھی ہو ائینہ دل کو مصفا رکھیے  
 جو بھی گزرے مثل خسرو دوراں چلیے  
 امتحاں جب بھی ہو منظور جگر داروں کا  
 محفل یار میں ہمراہ رقیباں چلیے  
 جیسے ہم بزم ہیں پھر یار طرح دار سے ہم  
 رات ملتے رہے اپنے در و دیوار سے ہم  
 سر خوشی میں یونہی دل شاد و غزل خواں گزرے  
 کوئے قاتل سے کبھی کوچہ دل دار سے ہم  
 کبھی منزل کبھی رستے نے ہمیں ساتھ دیا  
 ہر قدم الجھے رہے قافلہ سالار سے ہم  
 ہم سے بے بہرہ ہوئی اب جرس گل کی صدا  
 ورنہ واقف تھے ہر اک رنگ کی جھنکار سے ہم  
 فیض جب چاہا جو کچھ چاہا سدا مانگ لیا  
 ہاتھ پھیلا کے دل بے زر و دینار سے ہم  
 یک بیک شورش فغاں کی طرح  
 فصل گل اُئی امتحاں کی طرح  
 صحن گلشن میں بہر مشتاقاں  
 ہر روش کھینچ گئی کماں کی طرح  
 پھر لہو سے ہر ایک کاسہ داغ  
 پر ہوا جام ارغواں کی طرح  
 یاد آیا جنون گم گشتہ  
 بے طلب قرض دوستاں کی طرح  
 جانے کس پر ہو مہرباں قاتل  
 بے سبب مرگ ناگہاں کی طرح  
 ہر صدا پر لگے ہیں کان یہاں  
 دل سنبھالے رہو زباں کی طرح  
 قند دین کچھ اس سے زیادہ  
 لطف سخن کچھ اس سے زیادہ  
 فصل خزاں میں لطف بہاراں  
 برگ سمن کچھ اس سے زیادہ

حال چمن پر تلخ نوائی  
مرغ چمن کچھ اس سے زیادہ  
دل شکنی بھی دل داری بھی  
یاد وطن کچھ اس سے زیادہ  
شمع بدن فانوس قبا میں  
خوبی تن کچھ اس سے زیادہ  
عشق میں کیا بے غم کے علاوہ  
خواجہ من کچھ اس سے زیادہ

Poet: Faiz Ahmad Faiz